سماجی برائیوں پر قابو پانے میں مراتب دینداری کا رول- قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

مؤلف: ڈاکٹر محمد باقر آخوندی
مترجم: مولانا عابد رضا نوشاد

متعدد قرآنی آیات اور سماجی تجربوں کے مطابق دینداری، سماجی برائیوں سے بچاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دینداری کی اس خصوصیت کے باوجود بعض دیندار افراد کجروی کا شکار کیوں نظر آتے ہیں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بعض اوقات دینداری نہ صرف یہ کہ انسان کو برائیوں سے نہیں روکتی بلکہ سماجی مشکلات وانحرافات کی نئی نئی شکلوں کے وجود میں آنے کا سبب بنتی ہے؟

اس تحریر کا مقصد قرآنی آیات اور کتب تفسیر سے اس سوال کا جواب حاصل کرنا ہے۔ نتائج سے واضح ہوتا ہے کہ فوق الذکر سوال کا اصل جواب دینداری کے درجاتی ہونے میں نہفتہ ہے۔ تجربات بتاتے ہیں کہ دینداری کے کم از کم سات مراتب ودرجات ہیں۔ پہلے مرتبہ میں ایمان کی کمزوری کی بنیاد پر سماجی برائیوں کے امکانات زیادہ ہوجاتے ہیں۔ پہلے مرتبہ سے گذرنے کے بعد، ان سے بالاتر مراتب ودرجات میں دینداری میں استحکام آجاتا ہے۔

تجربات اور تحقیقات کے مطابق جن کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے، جتنی زیادہ دین کی پابندی ہوتی ہے، سماجی برائیوں میں بھی اتنی ہی کمی آتی ہے اور اس کے برخلاف دین کی پابندی میں کمی کے ساتھ ساتھ سماجی برائیوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر، دینی معتقدات کی تقویت سے جرائم میں کمی آتی ہے اور اس کی کمزوری سے سماجی مشکلات اور برائیوں میں اضافہ ہوتا ہے[۱]۔

۱۔ صدیق سروستانی، رحمت اللہ، آسیب شناسی اجتماعی در ایران، ص ۵۸

سورہ عنکبوت کی پینتالیسویں آیت[1] میں بھی اس بات کی بصراحت تائید ملتی ہے، جس میں نماز کو معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ اگر دینداری کا یہ نتیجہ ہے تو سوال یہ پیش آتا ہے کہ کبھی کبھی یہ دینداری کجیوں اور انحرافات کی روک تھام کیوں نہیں کر پاتی بلکہ بسا اوقات اس میں اضافہ ہوتا ہے یا انحرافات کی نئی نئی شکلوں ظاہر ہوتی ہیں؟

اس سوال کی مزید وضاحت کے لئے ، دیندار معاشرہ بالخصوص روایتی ماحول میں موجود بعض مسائل و مشکلات کی طرف اشارہ مناسب ہوگا۔ بعض اوقات دینداروں میں کچھ افراد گناہ میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھتے ہیں مگر خرید و فروخت کے وقت کم فروشی و گراں فروشی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں مگر جھوٹ بھی بولتے ہیں، غیبت بھی کرتے ہیں اور تہمتیں بھی لگاتے ہیں۔ دین کی تبلیغ و ترویج میں مصروف ہوتے ہیں لیکن اپنے کہے پر خود عمل نہیں کرتے یا کم عمل کرتے ہیں۔ مجالس عزا میں خاص اہتمام و انہماک سے شامل ہوتے ہیں مگر دینی واجبات و محرمات کے معاملے میں پابند نظر نہیں آتے اور دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں مگر بعض اوقات انہی تلاوت شدہ آیات کے برخلاف عمل کرتے ہیں۔ اعاظم دین و مذہب کے مراقد کی زیارت کے لئے رنج سفر اٹھاتے ہیں، اخراجات کے متحمل ہوتے ہیں مگر اپنے ہی ضرور تمند رشتہ داروں، ہمسایوں اور ہم وطنوں کی انہیں کوئی فکر نہیں ہوتی۔ معاشرتی زندگی میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[2] کے قرآنی اصول کو بھولے بیٹھے ہیں اور اپنے کئے کے بدلے فائدہ کے طالب ہوتے ہیں۔ اپنی دینداری کی شہرت کی بنیاد پر کسی ذمہ داری کو قبول کر لیتے ہیں لیکن اس کی ادئیگی کے وقت اور کمیت و کیفیت کے سلسلہ میں غفلت کا شکار رہتے ہیں۔ بیت المال کی بربادی کے سلسلہ میں ہمیشہ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں لیکن خود ان اموال عامہ کی بربادی سے پرہیز نہیں کرتے جو ان کے اختیار میں ہیں۔ یوں تو ان کا اہل مسجد میں شمار ہوتا ہے لیکن غبن، خرد برد اور رشوت بھی انہیں بری نہیں لگتی اور حلال روزی پر اکتفا نہیں کرتے۔ خود کو مومن و دیندار سمجھتے ہیں مگر اپنے عہد و پیمان کی وفا نہیں کرتے۔

۱۔ اُتلُ مَا أُوحِيَ إِلَيكَ مِنَ الْكِتَابِ وَ أَقِمِ الصَّلوٰةَ إِنَّ الصَّلوٰةَ تَنهىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ أَكبَرُ وَاللّٰهُ يَعلَمُ مَا تَصْنَعُونَ

۲۔ سورہ حجرات، آیت ۱۰

مذکورہ وضاحت کے مطابق اس تحقیق کا اصل سوال اگرچہ متدین معاشرہ کے ظاہری اعمال و کردار اور سماجی تعلقات کے مطالعہ پر مبنی ہے اور شاید دیندار افراد اور اہل نظر کے آراء و نظریات کی طرف رجوع کر کے اس کی وضاحت میسر ہو لیکن فی الحال اس مقالہ کا مقصد آیات قرآنیہ میں مذکورہ سوال کا جواب تلاش کرنا ہے۔

سماجی برائیوں اور انحرافات کے سلسلہ میں موجود نظریات، صاحبان نظر کے زاویۂ دید کے اختلاف کی بنیاد پر گوناگوں نظر آتے ہیں۔ ہر ماہر سماجیات نے اپنے زاویۂ نگاہ کی بنیاد پر ہی اس کے اسباب کی نشاندہی کی ہے[۱]۔ سماجی برائیوں کو بیان کرنے والے علل واسباب کو ذیل الذکر تقسیم کے مطابق خلاصۃً بیان کیا جاسکتا ہے:

اجتماعی نگرانی کا عدم استحکام

تجربات کہتے ہیں کہ سماج کے تینوں ارکان یعنی خاندان، روزگار اور علاقائی و مقامی اجتماعات میں تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں جس کا سیدھا اثر شہریوں کے معاشرتی رویہ اور طریقہ کار پر پڑا ہے[۲]۔ مثلاً خاندان، گھر، گھرانہ یعنی عائلی زندگی جو بچوں کی جسمانی، روحانی، جذباتی اور سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اہم کردار رکھتی تھی، افراد کو ایک شناخت اور شخصیت دیتی تھی نیز استعداد و صلاحیت کو فروغ دینے میں اہم معاون تھی، اپنے بنیادی کردار میں تبدیلیوں کی زد پر آگئی۔ آج کے لوگ اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گذارتے ہیں۔ بسا اوقات تو صرف سونے کے لئے گھر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عائلی زندگی میں اجتماعی روابط و تعلقات میں کمی آئی ہے اور دوستانہ تعلقات بھی بتدریج رسمی تعلقات میں تبدیل ہوگئے ہیں۔

۱۔ اس بات پر توجہ ضروری ہے کہ طرز عمل سے متعلق علوم اور تجرباتی علوم کے درمیان علّیت اور قانون سبب کے لحاظ سے بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ طرز عمل سے متعلق علوم میں علّیت کبھی یقینی نہیں ہوتی، بلکہ ان دونوں عناصر کا ہم وقت، مسلسل، منظّم، اور اطمینان بخش ہونا ملحوظ نظر ہوتا ہے۔ کلّی طور پر طرز عمل سے متعلق علوم میں علّیت کے حوالہ سے ذیل الذکر خصوصیات قابل ذکر ہیں: ہر عنصر کے ایک یا چند خاص علل واسباب ہوتے ہیں، عین ممکن ہے کہ مشترکہ علتیں بھی پائی جاتی ہوں۔ کسی چیز کے وجود کا میدان ہموار کرنے والے علل واسباب میں سماجی و معاشرتی تبدیلیوں کی بنا پر کلّی تبدیلی وجود میں آتی رہتی ہے؛ کسی چیز کے وجود کا میدان ہموار کرنے والے حالات بھی، مختلف معاشروں کی تہذیبوں کے مطابق فرق رکھتے ہیں؛ سماجی عناصر کی حقائق و مشتملات، زمانہ اور خود معاشرہ کے مطابق الگ الگ ہوتے ہیں؛ سماجی عناصر ایک ہی وقت میں مختلف علتوں کے زیر اثر قابل توجہ تبدیلیوں کا شکار ہوتے ہیں؛ علل واسباب کے تقدّم و تاخّر کی تعیین نیز اس بات کی نشاندہی کہ کون سی علّت مؤثر کردار رکھتی ہے، عموماً ایک مشکل کام ہوتا ہے؛ سماجی عناصر کے درمیان علّی روابط مختلف شکلوں میں ظہور پذیر ہوتے ہیں؛ بہت سے سماجی عناصر کے علّی روابط میں، تاثیر و تاثر کی کیفیت دوطرفہ ہوتی ہے۔ (لیٹل، ڈانیل، تبیین در علوم اجتماعی، ص ۵۰)

۲۔ انجمن جامعہ شناسی ایران، آسیب ہای اجتماعی در ایران، ص ۱۷

جس کے نتیجہ میں جو گھر اور عائلی زندگی معاشرہ کا اہم رکن سمجھی جاتی تھی اور گھر کے افراد کی اندرونی و بیرونی نگرانی ان کے اخلاق و کردار کو بہتر بناتی تھی، اس میں بنیادی تبدیلی آئی ہے اور بدحالی کا شکار ہوئی ہے[۱]۔

آج کے معاشرہ میں لوگ علاقائی اور مقامی اجتماعات سے بھی محروم ہوگئے ہیں جو اس سلسلہ میں معاون تھے۔ گذشتہ زمانہ میں کسی ایک محلّہ میں لوگ اور گھرانے طویل عرصہ تک زندگی گذارتے تھے اور یہ بات انحرافات اور کجرویوں کی روک تھام کا ایک اہم سبب تھی۔ لیکن عصر جدید میں کسی ایک جگہ یا محلّہ میں زیادہ دنوں تک نہ ٹھہرنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرتوں کے سبب محلّوں میں تہذیبی اور قومی تنوّع و تعدد وجود میں آیا ہے، جس کے سبب اجتماعی نگرانی میں بھی کمی آئی ہے۔ بالخصوص بڑے شہروں کے گردونواح کے علاقوں میں اس حالت کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے علاقوں میں جرائم کی شرح دیگر علاقوں کی بنسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے[۲]۔

نئے زمانہ میں پیشوں کی حالت بھی بنیادی تبدیلیوں کا شکار ہے۔ بیشتر پیشے قراردادی اور وقتی حیثیت رکھتے ہیں، جس کے نتیجہ میں پیشہ کے لحاظ سے لوگوں کی کوئی مستقل اور قابل اعتماد شخصیت نہیں بن پاتی لہٰذا ان کے افعال و کردار پر کنٹرول بھی ایک مشکل کام ہو جاتا ہے۔ پیشوں کا قراردادی اور وقتی ہونا، لوگوں کے احساسِ امنیت میں کمی کا سبب بنتا ہے اور انہیں کجروی کی جانب لے جاتا ہے[۳]۔

بہت سے ماہرین سماجیات کے مطابق، اجتماعی نگرانی میں کمی، سماجی یکجہتی میں کمی کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح اجتماعی اتحاد کے نتیجہ میں وجود میں آنے والے اقتدار کی کمزوری کا باعث بھی ہے۔ درنتیجہ اجتماعی برائیوں کی روک تھام سے معاشرہ عاجز ہو جاتا ہے[۴]۔ اس زاویۂ دید کے مطابق، اندرونی اور بیرونی طور پر اجتماعی نگرانی، سماجی برائیوں کی روک تھام میں بے نظیر کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ معاشرتی و

۱۔ محسن تبریزی، علی رضا، وندالیسم، ص ۶۸-۶۹

۲۔ آخوندی، محمد باقر، حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۸۰

۳۔ آسیب ہای اجتماعی در ایران، ۲۰

۴۔ وندالیسم، ص ۹۳

ثقافتی تبدیلیوں کے سبب گذشتہ دور کی طرف پلٹنا ناممکن ہے، لہٰذا ایسا راستہ اختیار کرنا ہوگا جس میں گذشتہ طریقوں کے مثبت عناصر کے ساتھ ساتھ جدید تقاضوں کا بھی خیال رکھا جائے۔

قرآن مجید نے سورہ حج کی اکتالیسویں آیت[۱] میں اجتماعی نگرانی اور ایمان[۲] کو دینی معاشرہ کی دو اہم خصوصیات کے طور پر بیان کیا ہے۔ اجتماعی نگرانی، اعمال و افعال کو ایک ایسے راستہ پر لگانے کا ذریعہ ہے جس کی توقع ایک معاشرہ کو ہوتی ہے اور جو پیدائش کے وقت سے ہی اجتماعیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور پوری زندگی جاری رہتی ہے۔ اس پورے سلسلہ میں کامیابی کا حصول اجتماعی نگرانی کی باطنی صورت کا میدان فراہم کرتا ہے اور پھر انسان کے وجود میں کنٹرول اور نگرانی کا مستحکم ذریعہ وجود میں آتا ہے جس کا نام ایمان ہے۔ درحقیقت اجتماعی نگرانی ایمان کا ہی نتیجہ ہے۔ ایمان شک و تردید کے ازالہ کا سبب ہے، عمل کو الٰہی فرائض پر استوار کرتا ہے اور مؤمن کو حادثات کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف غیر مؤمن شخص چونکہ خیر و شر کا مالک خود کو سمجھتا ہے لہٰذا ہمیشہ مختلف مشکلات کا شکار رہتا ہے[۳]۔ دل میں ایمان بتدریج اس قدر راسخ ہوجاتا ہے کہ سورہ مجادلہ کی آیت نمبر ۲۲[۴] کے مطابق الٰہی روح اس کی تائید کرتی ہے۔ یہ مؤید جسے سورہ فتح کی چوتھی آیت میں سکینہ کی تعبیر سے یاد کیا گیا ہے، مومن کے ایمان کا نتیجہ ہے اور اس کی پوری زندگی کو روشن و منور کردیتا ہے نیز چھوٹی بڑی سماجی برائیوں اور انحرافات سے اسے محفوظ رکھتا ہے[۵]۔ یعنی ایسے انسان کے پاس نگرانی کا سب سے زیادہ مضبوط، مؤثر، سدابہار اور دائمی ذریعہ ہوتا ہے، جس کا تسلسل ایمان کی تقویت کا سبب ہوتا ہے اور ایمان کی تقویت اجتماعی نگرانی کو مزید قوت و استحکام بخشتی ہے۔ چنانچہ اگر اجتماعی نگرانی معاشرہ کے ہر فرد کے وجود میں اوّلین مؤثر

۱۔ الَّذینَ إِن مَّکنَّاهُمۡ فی الۡأَرۡضِ أَقَامُواۡ الصَّلَوۃَ وَ ءاتَوُاۡ الزَّکوۃَ وَ أَمَرُواۡ بِالۡمَعۡرُوفِ وَ نَهَوۡاۡ عَنِ الۡمُنکرِ وَ لِلَّهِ عَاقِبَةُ الۡأُمُورِ

۲۔ بہت سی آیات میں نماز اور زکات کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے۔

۳۔ وَاللَّهُ وَلی الۡمُؤۡمِنِینَ (آل عمران۶۸)؛ ذٰلِك بِأَنَّ اللَّهَ مَوۡلی الَّذِینَ آمَنُوا وَ أَنَّ الۡكافِرِینَ لا مَوۡلی لَهُمۡ (محمد/۱۱)؛ اللَّهُ وَلی الَّذِینَ آمَنُوا... (بقرہ/۲۵۷)؛ إِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیاطِینَ أَوۡلِیاءَ لِلَّذِینَ لا یُؤۡمِنُون (اعراف/۲۷)؛ إِنَّما ذٰلِكمُ الشَّیطانُ یخَوِّفُ أَوۡلِیاءَهُ (آل عمران/ ۱۷۵)۔

۴۔ أُولئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الۡإِیمانَ وَ أَیَّدَهُمۡ بِرُوحٍ مِنۡهُ

۵۔ طباطبائی، سید محمد حسین، ترجمہ تفسیر المیزان، ج۹، ص ۳۰۲

عامل کے بطور راسخ ہو جائے تو سماجی کجروی اور انحراف میں کمی آئے گی۔ اجتماعی نگرانی کا تسلسل اور اس کی پائیداری سے اجتماعی ہمدلی و ہم آہنگی میں مزید استحکام آتا ہے اور ترقی و پیشرفت کا ماحول فراہم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں معاشرتی توازن برقرار اور اجتماعی نظام ثابت و استوار رہتا ہے۔ اس مقالہ کا دعویٰ یہ ہے کہ دینداری کی تقویت کے ذریعہ گھرانہ[1]، محلّہ اور پیشہ[2] میں ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اجتماعی نگرانی کے اندرونی و بیرونی آثار و نتائج کی بازگشت انہی چیزوں کی طرف ہوگی اور در نتیجہ اجتماعی نگرانی میں اضافہ کے ذریعہ انحرافات کے انسداد کا میدان ہموار ہوگا[3]۔

معاشرہ سے لگاؤ میں کمی

کسی جماعت یا اجتماع کے وجود میں آنے کا ایک عامل و محرک، اس سے لگاؤ ہے جو چار عناصر پر مشتمل ہوتا ہے: لگاؤ، فرض شناسی، سماجی اتحاد و ہم آہنگی اور ایمان۔ جسے بھی اپنے معاشرہ سے لگاؤ ہوگا وہ معاشرہ کے اجتماعی اقدار کے بر خلاف کوئی عمل انجام نہ دے گا۔ نہ صرف یہ کہ اقدار شکنی سے خود پرہیز کرے گا بلکہ دوسروں کو بھی اس عمل سے باز رکھے گا۔ ہیر شی کہتے ہیں کہ انحراف و کجروی کی پہلی وجہ، معاشرہ سے لگاؤ میں کمی ہے[4]۔

معاشرے کے سلسلہ میں فرض شناسی بھی انسان پر ایک ایسا فرض ہے جس کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: اقدار کے لئے فرض شناسی، اجتماعی فرض شناسی، اجتماعی مقاصد کے لئے فرض شناسی، معاشی و اقتصادی منابع و مصادر کے لئے فرض شناسی[5]۔ ان چار چیزوں کے سلسلہ میں انسان جس قدر اپنے آپ کو معاشرہ کا مقروض سمجھے گا اتنا ہی کم انحراف و کجروی کا شکار ہوگا۔ دوسری جانب، اجتماعی سرگرمیاں جتنی زیادہ ہوں گی، انحراف کا خطرہ بھی اتنا ہی انسان سے دور ہوگا۔ اس بنا پر، بے روزگار افراد جو اجتماعی سرگرمیوں میں کم شریک رہتے ہیں، انہیں انحراف کا خطرہ زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق، دینی و معاشرتی

۱۔ سورہ روم، آیت ۲۱

۲۔ سورہ جمعہ، آیت ۹-۱۰

۳۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص۷۱-۹۴

۴۔ رابرٹسن، یان، درآمدی بر جامعہ، ص۱۷۶

۵۔ چلبی، مسعود، جامعہ شناسی نظم، ص۱۷

اقدار پر انسان کا یقین و ایمان بھی افراد کی تربیت و حفاظت میں ایک اہم عنصر شمار ہوتا ہے۔انسان کا ایمان جتنا مستحکم ہوگا، اتنا ہی کجروی کا کم شکار ہوگا۔ لہٰذا اگر معاشرہ سے لگاؤ مضبوط نہ ہو، فرض شناسی نہ ہو، اجتماعی سرگرمیوں اور دین و اخلاق کی پابندی میں کمی ہو تو سماج کے لوگ انحراف، کجروی اور برائیوں کی زد پر ہوں گے۔

سورہ غافر کی ۳۷ویں اور ۵۶ویں آیت[۱] کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی چیز سے محبت اور لگاؤ انسان کے عقل و شعور پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی اثر پذیری کی مقدار اور قسم کو معیّن کرتا ہے[۲]۔یعنی دین سے لگاؤ، اس کی طرف رجحان کا میدان ہموار کرتا ہے اور دینی شخصیات سے لگاؤ ان کے آراء و نظریات سے متاثر ہونے کا میدان فراہم کرتا ہے[۳] چونکہ دین سے محبت اس کی طرف رجحان کا سبب ہے، درنتیجہ یہ محبت وانسیت دینداری کی تقویت کا بھی سبب بنتی ہے لہٰذا دینداری کے تحفظ واستحکام کا ایک اہم ذریعہ دین اور دینی شخصیات سے محبت میں اضافہ کرنا ہے۔ اس کے برخلاف، ان دونوں کی نسبت محبت وانسیت میں کمی دینداری میں کمی اور بتدریج اس کی نابودی کا سبب ہے جس کے نتیجہ میں جرائم کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے[۴]۔اس لئے کہ سورہ بقرہ کی ۱۷۷ویں آیت[۵] کے مطابق دینداری، افراد معاشرہ کو سماج سے لگاؤ رکھنے

۱۔ أَسْبابَ السَّماواتِ فَأَطَّلِعَ إِلى إِلهِ مُوسى وَ إِنِّي لَأَظُنُّهُ كاذِباً وَ كَذلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِيلِ وَ ما كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلاَّ في تَباب (غافر/۳۷)۔ إِنَّ الَّذينَ يُجادِلُونَ في آياتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطانٍ أَتاهُمْ إِنْ في صُدُورِهِمْ إِلاَّ كِبْرٌ ما هُمْ بِبالِغيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّميعُ الْبَصير (غافر/۵۶)۔

۲۔ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج۱۹، ص ۳۹؛ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۸، ص ۶۸۹؛ طبرسی، فضل بن حسن، مشکاۃالانوار فی غرر الاخبار، ج۵، ص ۲۳۸

۳۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۳، ص ۲۵۵؛ تفسیر نمونہ، ج ۱۲، ص ۱۷۰و ۲۳۷ - ۲۴۳؛ مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۶، ص ۶۷۳

۴۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۳، ص ۲۵۵؛ تفسیر نمونہ، ج ۱۲، ص ۱۷۰و ۲۳۷ - ۲۴۳؛ مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۶، ص ۶۷۳

۵ ۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ الْمَلائِكَةِ وَ الْكِتابِ وَ النَّبِيِّينَ وَ آتَى الْمالَ عَلى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبى وَ الْيَتامى وَ الْمَساكينَ وَ ابْنَ السَّبيلِ وَ السَّائِلينَ وَ فِي الرِّقابِ وَ أَقامَ الصَّلاةَ وَ آتَى الزَّكاةَ وَ الْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذا عاهَدُوا وَ الصَّابِرينَ فِي الْبَأْساءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ حينَ الْبَأْسِ أُولئِكَ الَّذينَ صَدَقُوا وَ أُولئِكَ هُمُ الْمُتَّقُون (بقرہ/۱۷۷)۔

والا، پابند، باایمان اور فرض شناس بناتی ہے[۱]۔

اجتماعی سرمایہ کی قلّت

مختلف وجوہات کی بنیاد پر، اجتماعی سرمایہ کی طرف توجہ اور اس کی اہمیت میں روزافزوں اضافہ ہوا ہے اور اس نے بہت سے محققین کو غور و فکر پر مجبور کیا ہے۔ فوکویاما کے مطابق اجتماعی سرمایہ ایک غیر رسمی قاعدہ ہے جس سے افراد معاشرہ کے درمیان باہمی رابطہ کو تقویت ملتی ہے۔ ان کی نظر میں اگرچہ اجتماعی سرمایہ خود ایک قاعدہ ہے تاہم دیگر سماجی قواعد کا نتیجہ بھی ہے۔ فوکویاما کی تعریف کے مطابق، معاشرتی اعتماد، معاشرتی تعلقات اور معاشرتی سرگرمیاں بھی اجتماعی و معاشرتی سرمایہ کا نتیجہ ہیں نیز اس کے وجود کا سبب بھی ہیں۔

پوتنام بھی اجتماعی سرمایہ کو سماجی تنظیموں کی بعض خصوصیات جیسے اعتماد، قواعد اور روابط و تعلقات کا مجموعہ مانتا ہے جو ہم آہنگ اقدامات میں آسانی کے ذریعہ معاشرہ کی افادیت میں اضافہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کی بعض آیات کی تحلیل و تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ اجتماعی سرمایہ کے اصل عناصر یہ ہیں: معاشرتی اعتماد، اخلاقی و دینی فرائض کی پابندی اور روابط و تعلقات۔ معاشرتی و اجتماعی اعتماد میں کمی، دوسروں کی بنسبت بدگمانی میں اضافہ کرتی ہے جس کے نتیجہ میں دوطرفہ تعلقات اور سماجی اتحاد میں بھی کمی آتی ہے۔ چونکہ سماجی اتحاد، معاشرتی تعلقات اور اخلاقی و دینی فرائض کی پابندی، معاشرہ سے لگاؤ کے عناصر بھی ہیں لہٰذا ان میں کمی سماجی برائیوں کا سبب بنتی ہے۔ اس کے علاوہ، یہی تینوں عناصر (سماجی اتحاد، معاشرتی تعلقات اور اخلاقی و دینی فرائض کی پابندی) اندرونی و بیرونی اجتماعی نگرانی کی تشکیل و تقویت کا باعث بھی شمار ہوتے ہیں لہٰذا ان کی کمزوری اجتماعی نگرانی کی کمزوری کا سبب ہے۔ اس مقالہ کی نظر میں دینداری ایک مکمل و مستحکم اور بیدار کنندہ عنصر کی حیثیت سے اجتماعی سرمایہ کے اصل عناصر[۲] (اعتماد، اتحاد و ہم آہنگی اور دوطرفہ تعلقات[۳]) کی دائمی تقویت کی صلاحیت رکھتی ہے۔

۱۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۷۱

۲۔ وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً قَرْیَۃً کانَتْ آمِنَۃً مُطْمَئِنَّۃً یَأْتیھا رِزْقُھا رَغَداً مِنْ کُلِّ مَکانٍ فَکَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰہِ فَأَذاقَھَا اللّٰہُ لِباسَ الْجُوعِ وَ الْخَوْفِ بِما کانُوا یَصْنَعُونَ (نحل/۱۱۲)۔

۳۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَۃٌ فَأَصْلِحُوا بَیْنَ أَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُونَ (حجرات/۱۰)۔

اقدار اور قواعد کا تضاد

ثقافتی و قومی تنوع، سلیقوں کے اختلاف، نسلی تعصّبات اور ذرائع ابلاغ کے فروغ وارتقاء کے نتیجہ میں معاشرہ میں مختلف بلکہ متضاد اقدار وجود میں آتے ہیں۔ اقدار کا تصادم، قواعد کے تصادم پر منتہی ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں معاشرہ دو یا چند حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اقدار و قواعد کا تصادم سماجی اتحاد اور ہم آہنگی کو نقصان پہنچاتا ہے، سماجی تعلقات کی کمزوری کا سبب بنتا ہے، اجتماعی اعتماد میں کمی لاتا ہے اور جذباتی اور دوستانہ روابط کو محدود کر دیتا ہے[۱]۔

یہ صورتحال اجتماعی سرمایہ کی قلّت اور اجتماعی نگرانی کی کمزوری کا سبب ہے جس کے نتیجہ میں اجتماعی انحرافات اور سماجی برائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس مقالہ کا دعویٰ یہ ہے کہ دینداری کی تقویت کے ذریعہ قواعد و اقدار کے تضاد کی بنیاد پر رونما ہونے والی برائیوں کا انسداد اور اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ دین، مؤمنین کے درمیان برادرانہ احساس کی تبلیغ و ترویج کرتا ہے[۲]۔ ظن و گمان[۳] اور صحبت و ہمنشینی[۴] کی بنیاد پر وجود میں آنے والی برائیوں کی تقلیل اور اس کا انسداد بھی، تقویت ایمان اور استحکام دینداری کے ذریعہ ممکن ہے۔ سورہ حجرات کی دسویں آیت[۵] کے مطابق مؤمنین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم ہے اور ان کے تعلقات بھی ایک ہی خاندان کے افراد کی طرح گہرے، جذباتی اور دوستانہ ہیں۔ اس لئے کہ جو چیز ایک معاشرہ کی حفاظت کرتی ہے اور دینداری کو استحکام عطا کرتی ہے وہ وفاق و اتحاد ہے، تضاد و اختلاف نہیں۔

سورہ فصلت کی چونتیسویں آیت[۶] کے تحلیل و تجزیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سماجی تعلقات معجزہ جیسا کام کرتے ہیں۔ اس آیت میں اچھائی اور برائی کے نتائج کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ادْفَعْ

۱۔ جامعہ شناسی نظم، ص۱۱۷

۲۔ قُلْ يا أَهْلَ الْكِتابِ تَعالَوْا إِلى كَلِمَةٍ سَواءٍ بَيْنَنا وَ بَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللَّهَ وَ لا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَ لا يَتَّخِذَ بَعْضُنا بَعْضاً أَرْباباً مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (آل عمران/۶۴)۔

۳۔ يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثيراً مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَ لا تَجَسَّسُوا وَ لا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً أَ يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحيمٌ (حجرات/۱۲)۔

۴۔ وَلا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذي بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَداوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَميم (فصلت/۳۴)۔

۵۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

۶۔ وَلا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذي بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَداوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَميم

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی برے اور تنفر انگیز معاشرتی تعلقات کا جواب اچھے، دوستانہ اور پر تپاک معاشرتی تعلقات کے ذریعہ دیجئے اور ہر گز برائی کا جواب برائی سے نہ دیجئے [۱]۔

یہ اہم بات سورہ مؤمنون کی ۹۶ ویں آیت میں بھی الگ انداز میں بیان ہوئی ہے: ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۔ یہ حکمت عملی، دوستانہ اور گہرے سماجی تعلقات میں پہلے سے ہی موجود ہوتی ہے، تو پھر الگ سے اس آیت میں اس بات کی نصیحت کی کیا ضرورت تھی؟ اس بات کا جواب سورہ فصلت کی چوتیسویں آیت میں موجود ہے: فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۔ اس آیت میں ولی سے مراد دوست ہے اور حمیم بہت گرم پانی کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدن کے پسینہ کو بھی حمیم کہتے ہیں۔ حمام کو بھی اسی تناسب سے حمام کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں بہت محبت کرنے والے مہربان دوست کے معنی میں ہے لہٰذا گہرے، دوستانہ اور محبت بھرے تعلقات بالخصوص اگر وہ غیر دوستانہ اور دشمنی بھرے تعلقات کے مقابلہ میں اختیار کئے جائیں تو دشمن کو مہربان دوست میں تبدیل کر سکتے ہیں [۲]۔ اس لئے کہ جو بھی کسی سے بدی کے ساتھ پیش آتا ہے وہ اس بات کے لئے تیار رہتا ہے کہ سامنے والا شخص بھی بدی سے ہی جواب دے گا لیکن جب وہ دیکھے گا کہ یہ شخص نہ صرف بدی کا جواب بدی سے نہیں دیتا بلکہ خوبی و نیکی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کے وجود میں ایک طوفان برپا ہو جائے گا، اس کا ضمیر بیدار ہو جائے گا، اپنی حرکت پر نادم و پشیمان ہوگا اور مد مقابل شخص کی عظمت و بزرگی کا کلمہ پڑھے گا۔ یہی وہ مرحلہ ہوگا جب محبت، مہربانی اور دوستی، نفرت، کینہ اور دشمنی کی جگہ لے لے گی [۳،۴]۔

تاریخ بھی شاہد ہے کہ رسول اکرمؐ بھی اس حکمت عملی کی طرف ہمیشہ توجہ رکھتے تھے۔ بعنوان مثال فتح مکہ کے موقع پر دشمن ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی اس بات کی توقع رکھتے تھے کہ آج تو سخت اور عبرت آموز انتقام کا دن ہے اور ایک دریائے خوں بہے گا، مگر پیغمبر رحمت نے اذهبوا فانتم الطلقاء کہہ

۱۔ تفسیر نمونہ، ج ۲۰، ص ۲۸۲

۲۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۷، ص ۵۹۵

۳۔ اگر چہ یہ قانون دائمی نہیں تاہم غالب ضرور ہے۔ اس لئے کہ ہمیشہ اس قسم کے قوانین سے غلط فائدہ اٹھانے والے کچھ افراد موجود ہوتے ہیں۔ جب تک انہیں ان کے اعمال و کردار کی سخت ترین سزا نہیں ملتی برائی سے دستبردار نہیں ہوتے۔

۴۔ تفسیر نمونہ، ج ۲۰، ص ۲۸۲

کر سبھی کو دامن عفو میں جگہ دی۔ مشرکین مکہ پر حضور اکرمؐ کی یہ حکمت عملی ایسی اثر انداز ہوئی کہ سورہ نصر کی دوسری آیت کے مطابق يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً ، لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں شامل ہوتے گئے اور انہوں نے دل و جاں سے اسلام کو تسلیم کیا[۱]۔

البتہ واضح رہے کہ مذکورہ آیت میں ارشاد ہوا ہے: گویا وہ ایک بہت محبت کرنے والا دوست ہے (كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ)؛ مقصد یہ ہے کہ مذکورہ حکمت عملی کے اختیار کرنے سے اگر وہ حقیقی طور پر ایک گہرے دوست میں تبدیل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے آپ کو ان کے جیسا ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا۔ مخالفین کے مقابلہ میں ایسی حکمت عملی آسان نہیں ہوتی لہٰذا بعد کی آیت (سورہ فصلت/۳۵)[۲] میں اس کی تمہیدی بنیادوں کو مختصر اور پر معنی عبارتوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے: وَ مَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا اور یہ (خصلت) صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔ اس کے علاوہ صبر و استقامت ان کا ہنر ہے جو ایمان و تقویٰ کی مضبوطی کے حامل ہوتے ہیں: إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۔ غیظ و غضب صرف ایمان و تقویٰ کے ذریعہ قابل مہار ہے۔ اس لئے کہ ایمان کے ذریعہ روح اس قدر وسعت کی حامل ہو جاتی ہے کہ پھر مؤمن دشمنوں کی ایذا رسانیوں سے بآسانی متاثر نہیں ہوتا اور آتش انتقام شعلہ ور نہیں ہوتی[۳]۔

آیات قرآنیہ میں زمان، مکان، زبان، قوم اور رنگ و نسل کی قید کے بغیر انسان کو مخاطب قرار دیا گیا ہے[۴] اور اس کتاب میں ہر وہ چیز موجود ہے جو اس کی اجتماعی زندگی کے فروغ و ارتقاء کا سبب ہے[۵]۔ بعض آیات الٰہیہ کے مفاہیم سے واضح ہوتا ہے کہ نفاذ دین (معاشی، معاشرتی، آسائشی و تہذیبی)

۱۔ تفسیر نمونہ، ج۲۰، ص ۲۸۳

۲۔ وَ مَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَ مَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (فصلت/۳۵)

۳۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۹۴-۷۱

۴۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِى أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَ الْفُرْقَانِ (بقرہ/۱۸۵)؛ وَ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيراً وَ نَذِيراً وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ (سبا/۲۸)؛ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّى رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف/۱۵۸)؛ وَ مَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ (قلم/۵۲)؛ تَبَارَكَ الَّذِى نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (فرقان/۱)؛ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَ مَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ (مدثر/۳۱)؛ هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (آل عمران/۱۳۸)

۵۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱، ص ۶۴

آثار و برکات[۱] کا سبب ہوتا ہے اور سماج کی ہمہ گیر ترقی و پیشرفت کا ضامن ہوتا ہے[۲]۔ بالفاظ دیگر دینداری معاشی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی فروغ و ارتقاء کا میدان ہموار کرتی ہے اور ایک صحیح و سالم معاشرہ کو وجود بخشتی ہے۔

سورہ نحل کی آیت ۹۷ میں بھی نفاذ دین کے نتیجہ میں حیوۃ طیبہ کی نوید دی گئی ہے[۳]۔ ظاہر ہے کہ پاکیزہ حیات کا قرآنی تصوّر زندگی کے ثقافتی و معاشرتی پہلوؤں کو بھی شامل ہوتا ہے[۴]۔ سورہ عنکبوت کی آیت ۴۵[۵] میں بھی دینداری کے نتیجہ میں اصلاح معاشرہ کا مژدہ سنایا گیا ہے اور صریحاً تاکید کی گئی ہے کہ قائم کرنے سے ہر قسم کی کجی و انحراف کا معاشرہ سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔

آیات قرآن کے مطابق، دین کے عدم نفاذ کی صورت میں معاشرہ کی حالت غیر ہوگی۔ یہ آیات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اگر معاشرہ میں دین کو رسوخ حاصل نہ ہو تو برائی و کجی اور سماجی مشکلات معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیں گی۔[۶] سورہ فتح کی تیئیسویں[۷]، سورہ احزاب کی باسٹھویں[۸]، سورہ اسراء کی ستترویں[۹]

۱۔ برکات برکت کی جمع ہے اور ثبات کے معنیٰ میں ہے۔ اس بنا پر ہر اس نعمت کو برکت کہا جاتا ہے جو دائم و ثابت ہو۔ اس کے مقابلہ میں بے برکت موجودات وہ ہیں جو جلد فنا پذیر ہو جاتے ہیں (تفسیر نمونہ، ج۶، ص۲۶۶)

۲۔ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرى آمَنُوا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنا عَلَيْهِمْ بَرَكاتٍ مِنَ السَّماءِ وَ الْأَرْضِ (اعراف/۹۶)؛ وَ لَوْ أَنَّهُمْ أَقامُوا التَّوْراةَ وَ الْإِنْجيلَ وَ ما أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَ كَثيرٌ مِنْهُمْ ساءَ ما يَعْمَلُونَ (مائدہ/۶۶)

۳۔ مَنْ عَمِلَ صالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَياةً طَيِّبَةً (نحل/۹۷)

۴۔ تفسیر نمونہ، ج۷، ص ۱۲۸

۵۔ وَ أَقِمِ الصَّلوٰةَ إِنَّ الصَّلوٰةَ تَنْهىٰ عَنِ الْفَحْشاءِ وَ الْمُنْكَرِ

۶۔ ظَهَرَ الْفَسادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِما كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (روم/۴۱)؛ وَ لكِن كَذَّبُواْ فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُواْ يكسِبُونَ (اعراف/۹۶)؛ وَ ما أَصابَكُمْ مِنْ مُصيبَةٍ فَبِما كَسَبَتْ أَيْديكُمْ (شوری/۳۰)؛ وَ ما كانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرى بِظُلْمٍ وَ أَهْلُها مُصْلِحُونَ (ھود/۱۱۷)؛ قالُوا طائِرُكُمْ مَعَكُمْ أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ (یس/۱۹)؛ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذاقَهَا اللَّهُ لِباسَ الْجُوعِ وَ الْخَوْفِ بِما كانُوا يَصْنَعُونَ (نحل/۱۱۲)

۷۔ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَ لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلا

۸۔ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْاْ مِن قَبْلُ وَ لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلا

۹۔ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلا

اور سورہ آل عمران کی ایک سو سینتیسویں آیت[۱] سے واضح ہوتا ہے کہ دینداری کے ضعف کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی اجتماعی و ثقافتی پریشانیاں، اجتماعیات کے قوانین سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی لئے سورہ انعام کی گیارہویں[۲]، سورہ نمل کی انہترویں[۳] اور سورہ روم کی بیالیسویں آیت[۴] میں رسول اکرمؐ کی ایک اہم الٰہی داری یہ بیان ہوئی ہے کہ لوگوں کو زمین پر سیر و سفر کی ترغیب دلائیں تاکہ وہ گذشتہ قوموں کی سرگذشت اور باقیماندہ آثار کو دیکھیں کہ کس طرح ان کے گھر منہدم اور نسلیں منقطع ہوگئیں تاکہ ان کی غلطیاں یہ نہ دہرائیں اور ان چیزوں میں مبتلا نہ ہوں جن میں وہ مبتلا ہوئے تھے[۵]۔

سورہ اسراء کی نویں آیت[۶] کے مطابق، انسان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآن مجید پر عمل پیرا ہو کر سب سے سیدھے، مستحکم اور صاف راستہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر قرآن مجید کا مقصد معاشرہ میں انسان کی ترقی و پیشرفت ہے جو مذکورہ آیت[۷] کے مطابق ہدایت اقوم ہے اور معاشرہ کا فروغ و ارتقاء اس کا خوبصورت نتیجہ ہے[۸] نیز کجی و انحراف، جرائم اور ناجائز جنسی تعلقات جیسی برائیوں میں کمی کا سبب اور سچائی، دوستی، تعاون، انفاق، اعتماد، امانت داری، صبر، توکل اور سکون و اطمینان جیسے اوصاف حسنہ کا باعث ہے۔

۱۔ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ

۲۔ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ

۳۔ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ

۴۔ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ

۵۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۶، ص ۲۹۳

۶۔ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

۷۔ یہ قرآن یقیناً اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھی ہے اور ان مومنین کو جو نیک اعمال بجالاتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان لیے بڑا اجر ہے۔

۸۔ يا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَ هُدًى وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (یونس/۵۷)؛ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ ما هُوَ شِفاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَ لا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلاَّ خَسارا (اسراء/۸۲)؛ وَ لَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآناً أَعْجَمِيًّا لَقالُوا لَوْلا فُصِّلَتْ آياتُهُ أَأَعْجَمِيٌّ وَ عَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدىً وَ شِفاءٌ وَ الَّذِينَ لا يُؤْمِنُونَ فِي آذانِهِمْ وَقْرٌ وَ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولئِكَ يُنادَوْنَ مِنْ مَكانٍ بَعِيد (فصلت/۴۴)

سیّال ہونا دینداری کی ایک اہم خصوصیت

متعدد قرآنی آیات[۱] کی تحلیل و تفسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دینداری سیّال و متحرک ہے اور اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہی خصوصیت دینداری کی کمزوری اور کبھی کبھی نابودی کا سبب قرار پاتی ہے لہٰذا ہمیشہ ضرورت رہتی ہے کہ ہوشیار رہا جائے۔ اگر اسے استحکام نہ ملے تو نابود ہو جاتی ہے اور اگر اس کی ترقی کا میدان ہموار ہو تو اسے فروغ ملتا ہے۔ چونکہ دینداری، ایمان و عمل صالح کا نتیجہ ہوتی ہے اور انہیں دو عناصر کی بنیاد پر پروان چڑھتی ہے نیز ان دونوں کی تقویت یا تضعیف دینداری کی تقویت یا تضعیف کا سبب قرار پاتی ہے لہٰذا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ دینداری کی سیّالیت بھی انہی دو عناصر یعنی ایمان و عمل صالح سے وابستہ ہے۔ انسان ہمیشہ اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے اور کسی صورت میں بھی ذمہ داری سے عاری نہیں ہوتا۔ دینداری اور ذمہ داری کا یہ امتزاج اس کی سیّالیت کی اہم وجہ ہے، اس لئے کہ یہ امتزاج، دینداری کے وجود اور اس کے شدت و ضعف کا سبب بنتا رہتا ہے۔

چونکہ ایمان دینداری کا ایک اہم حصہ ہے لہٰذا دینداری کی سیّالیت کی ایک اہم وجہ اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ آیات قرآنیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایمان بھی ایک سیّال حقیقت ہے جس کا سلسلۂ تکمیل جاری رہتا ہے[۲]۔ پس اگر اس سیّالیت میں مناسب ثبات و دوام نہ پایا گیا تو اس کی کمزوری یا نابودی کا امکان رہے گا۔ یہ خصوصیت بڑی اہمیت کی حامل ہے چونکہ یہ دینداری کے بے وقفہ فروغ و ارتقاء میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ لیکن دوسری طرف یہی خصوصیت ایمان کے تنزلزل اور اس کی کمزوری کا بھی سبب بن سکتی ہے لہٰذا یہ ایک ایسا خطرہ بھی ہے جو ابتدائے راہ میں دینداروں کو لاحق ہو سکتا ہے۔ اگر ایمان میں استحکام اور ثبات و دوام نہ آئے تو اس کے تنزلزل اور خاتمہ کا خطرہ رہتا ہے۔ اگرچہ ایمان جب تک

۱۔ سورہ توبہ ۱۶ ، ۴۷ ، ۵۵ ؛ سورہ فاطر ۲۳ ؛ سورہ نحل ۹۰ ؛ سورہ فتح ۵ ؛ سورہ کہف ۱۰۳ ؛ سورہ اسراء ۳۹ ، ۴۱ ؛ سورہ ابراہیم ۲۷ ؛ سورہ حمد ۷ ؛ سورہ بقرہ ۱۰۱ ؛ سورہ آل عمران ۷۲ ، ۱۰۲ ؛ سورہ منافقون ۹ ؛ سورہ نساء ۱۳۷ ؛ سورہ مائدہ ۵۷ ؛ سورہ نمل ۵۳ ؛ سورہ تحریم ۶ ، ۸ ؛ سورہ مائدہ ۹۳ ، ۱۰۵ ؛ سورہ ابراہیم ۳۵ ؛ سورہ انعام ۱۵۰ ؛ سورہ انفال ۴۵ ؛ سورہ طہ ۱۶ ؛ سورہ اعراب ۱۷۶

۲۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا (سورہ نساء: ۱۳۷)

ثابت و مستحکم نہیں ہو جاتا اس وقت تک ذاتی طور پر سیّال ہی رہتا ہے تاہم ماحول اور شرائط و حالات بھی اس کی سیّالیت میں شدت کا سبب بنتے ہیں۔

ا۔ سماجی ماحول کی تبدیلی ایمان کی سیّالیت میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ جب ایک انسان ایک منظّم و ہم آہنگ دینی ماحول سے غیر منظّم اور دین سے غیر ہم آہنگ ماحول میں قدم رکھتا ہے تو اپنے ایمان کے درجہ کے تناسب سے اس نئے ماحول کے زیر اثر آجاتا ہے اور اس کے ایمان میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ عقائد و نظریات میں بھی تزلزل اور کمزوری آجاتی ہے۔ انسان جتنے معاشروں میں داخل ہوتا ہے اتنے ہی اثرات قبول کرتا ہے جو کبھی کبھی متضاد بھی ہوا کرتے ہیں مگر اس معاشرہ اور ماحول کی تاثیر میں نہ کمی آتی ہے نہ کوئی دوسری چیز اس تاثیر کی جگہ لیتی ہے۔ سورہ نساء کی ۱۳۹ سے ۱۴۴ ویں آیت میں اس کیفیت کی وضاحت کی گئی ہے[1]۔ ان آیات میں ایسے مؤمنین کا ذکر کیا گیا ہے جو کفّار کے ساتھ معاشرتی تعلقات قائم رکھنے کی غرض سے ان کے یہاں آمد و شد رکھتے ہیں اور بتدریج ان سے مانوس ہونے لگتے ہیں پھر ان کی تہذیب اور معتقدات سے متاثر بھی ہونے لگتے ہیں۔ کافر سماج سے لگاؤ اس بات کا سبب بنتا ہے کہ کفار کی تہمتوں، طعنوں اور استہزاء کی تصدیق و تائید ہو اور انسان خود کو ان جیسا ظاہر کرے، لیکن جب اپنے اسلامی سماج میں پلٹ کر آئے تو خود کو مؤمن و دیندار ظاہر کرے اور کفار سے بیزاری کا اظہار کرے۔ مؤمنوں کے کفار سے سماجی تعلقات کا تسلسل ایمان کی سیّالیت میں اضافہ کا سبب ہے اور اور لوگ مسلسل

ا۔ الَّذينَ يَتَّخِذُونَ الْكافِرينَ أَوْلِياءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنينَ أَ يَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَميعاً (۱۳۹) وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتابِ أَنْ إِذا سَمِعْتُمْ آياتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِها وَ يُسْتَهْزَأُ بِها فَلا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا في حَديثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذاً مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جامِعُ الْمُنافِقينَ وَ الْكافِرينَ في جَهَنَّمَ جَميعاً (۱۴۰) الَّذينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قالُوا أَ لَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَ إِنْ كانَ لِلْكافِرينَ نَصيبٌ قالُوا أَ لَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَ لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكافِرينَ عَلَى الْمُؤْمِنينَ سَبيلاً (۱۴۱) إِنَّ الْمُنافِقينَ يُخادِعُونَ اللَّهَ وَ هُوَ خادِعُهُمْ وَ إِذا قامُوا إِلَى الصَّلاةِ قامُوا كُسالى يُراؤُنَ النَّاسَ وَ لا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلاَّ قَليلاً (۱۴۲) مُذَبْذَبينَ بَيْنَ ذلِكَ لا إِلى هؤُلاءِ وَ لا إِلى هؤُلاءِ وَ مَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبيلاً (۱۴۳) يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا لا تَتَّخِذُوا الْكافِرينَ أَوْلِياءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنينَ أَ تُريدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطاناً مُبيناً (۱۴۴)

ایمان لانے پھر کافر ہو جانے پھر ایمان لانے اور پھر کافر ہو جانے کی حالت میں رہتے ہیں یہاں تک کہ ایمان پوری طرح متزلزل اور کفران کے وجود میں سما جاتا ہے۔[1]

۲۔ شرائط و حالات کی سختی بھی وہ مرحلہ ہے جب ایمان اور دینداری کی سیّالیت نمایاں ہوتی ہے۔ سخت کوائف و حالات میں ایمان اسی وقت پائیدار رہ سکتا ہے جب پہلے سے مضبوط و مستحکم ہو۔ اگر ایمان مستحکم نہ ہو بلکہ متزلزل ہو تو انسان ناامیدی و مایوسی کا شکار ہو جائے گا[2]۔ اس لئے کہ ایمان کی کمزوری کے بعد سختی پریشانی کو تحمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انسان جب بھی مایوس و ناامید ہوتا ہے، دائرۂ ایمان سے قدرے دور ہو جاتا ہے اور پُر امید ہوتے ہی دوبارہ دائرہ ایمان میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالات کی سختی و تنگی کی طرح ہی خوشحالی کے دوران بھی مضبوط و مستحکم ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورہ ہود کی دسویں آیت[3] کے مطابق آسائش و خوشحالی کے ایام میں بھی انسان پر غرور و غفلت کی حالت طاری ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ سورہ ہود کی گیارہویں آیت[4] کے مطابق صبر اور عمل صالح اس بات کا سبب بنتے ہیں کہ انسان ایسے حالات میں بھی اپنے ایمان پر ثابت و استوار رہے۔ سخت حالات ہوں یا آسائش و خوشحالی کے ایام، انسان اسی وقت صبر و استقامت کا مظاہرہ کر سکتا ہے جب ایک حد تک اس کا ایمان ثابت و استوار ہو۔[5]

۳۔ کجروی و انحراف کا راستہ اختیار کرنا بھی ایمان کی کمزوری اور عدم استحکام کا پیش خیمہ ہے۔ ایمان کی کمزوری، اس کی سیّالیت میں شدید اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ یہ ایک ایسی حالت ہوتی ہے کہ انحراف

۱۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا (سورہ نساء: ۱۳۷)

۲۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ (ہود/۹)

۳۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ (ہود/۱۰)

۴۔ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (ہود/۱۱)

۵۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱۰، ص ۲۳۴

میں اضافہ کے ساتھ دائرۂ ایمان سے خروج اور پھر دوبارہ ورود میں بھی اتنی ہی تیزی آتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ مرحلہ آتا ہے کہ پھر ایمان کی طرف بازگشت نہیں ہو پاتی۔[۱]

۴۔ سورۂ توبہ کی ۷۷ویں آیت[۲] اور متعدد روایات[۳] سے واضح ہوتا ہے کہ جھوٹ اور پیمان شکنی، نفاق کی نشانیاں ہیں اور انسان کو دائرۂ امن وہدایت یعنی دائرۂ ایمان سے خارج کرنے اور پھر اس میں داخل کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ جھوٹ کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ دائرۂ ایمان سے خارج ہونے اور پھر اس میں داخل ہونے کے سلسلہ میں بھی شدت آتی ہے اور سرانجام ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جب ایمان کی طرف بازگشت نہیں ہو پاتی۔

۵۔ سورہ بقرہ کی ۲۶۴ویں آیت[۴] کے مطابق، ریاکار انسان بھی اپنے ریاکارانہ عمل کے وقت دائرہ ایمان سے خارج رہتا ہے۔ ہر ریاکاری کے ساتھ انسان دائرۂ ایمان سے باہر ہو جاتا ہے اور اس ریاکارانہ عمل کے ختم ہوتے ہی دوبارہ دائرۂ ایمان میں داخل ہو جاتا ہے۔ ریاکارانہ اعمال کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ایمان سے خارج ہونے اور پھر اس میں داخل ہونے کا سلسلہ تیز ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ مرحلہ آتا ہے جب اسے دائرۂ ایمان میں دوبارہ شمولیت کی توفیق نہیں ہو پاتی ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث کے مطابق مؤمن دائرۂ ایمان واسلام سے باہر نکل کر سرحد کفر تک پہنچ جاتا ہے[۵]۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: اگر مؤمن گناہان کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہان صغیرہ پر مصر ہو جس کی نہی کی گئی ہے، تو وہ دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور پھر اسے مؤمن نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ایسی صورت میں وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور اسے مسلمان کہا جائے گا۔ ایسے افراد اگر اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے طلب مغفرت کریں تو دوبارہ دائرۂ ایمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ (کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، ج۱، ۱۵۷)

۲۔ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (توبہ/۷۷)

۳۔ سئل رسول اللہؐ يكون المؤمن جبانا؟ قال نعم، قيل و يكون بخيلا؟ قال نعم، قيل يكون كذابا؟ قال: لا (نراقی، محمد مہدی، جامع السعادات، ج۲، ص ۳۲۲)۔ اسی طرح امیر المؤمنین حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: لا يجد العبد طعم الايمان حتى يترك الكذب هزله وجده (مشکاۃ الانوار فی درر الاخبار، ص ۱۵۶)۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں: اياك و مصادقة الكذاب فانه كالسراب، يقرب عليك البعيد، و يبعد عليك القريب (نہج البلاغہ، حکمت ۳۷)

۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (بقرہ/۲۶۴)

۵۔ اصول کافی، ج۱، ۱۵۷

۶۔ سورۂ نساء کی ۶۵ویں آیت[1] کے مطابق ایمان ایک کامل و جامع حیثیت رکھتا ہے اور اس کی یہ جامعیت لازمی و ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر، مؤمن کا تمام احکام الٰہیہ کے سامنے تسلیم رہنا لازمی ہے لیکن اگر بعض اوامر و احکام پر ایمان رکھتا ہو لیکن دیگر اوامر و احکام پر ایمان نہ رکھتا ہو تو ایمان کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے گا اور اس میں سیّالیت اور آنے جانے والی حالت پیدا ہو جائے گی۔ یہ صورتحال اس وقت زیادہ مرحلۂ ظہور میں آتی ہے جب احکام الٰہیہ میں سے کوئی حکم اس شخص کے فائدہ میں نہ ہو یا اس پر عمل سے اسے بظاہر کوئی نقصان ہو رہا ہو۔ ایسی صورتحال میں اوامر الٰہیہ سے شانہ خالی کرنے کا امکان و احتمال بڑھ جاتا ہے، مگر یہ کہ اس کے ایمان میں ضروری استحکام پایا جاتا ہو۔

۷۔ ظلم بھی ایک ایسا عامل و سبب ہے جس سے ایمان کی آمد و رفت اور سیّالیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ سورۂ انعام کی ۸۲ویں آیت[2] میں ایمان کو ذہنی و عینی، انفرادی و اجتماعی اور معاشی و ثقافتی واطمینان اور امن و امان نیز ہدایت کا سرچشمہ بیان کیا گیا ہے، مگر شرط یہ رکھی گئی ہے کہ وہ آلودۂ ظلم نہ ہو اور درنتیجہ اس کے اثرات ختم نہ ہوں[3]۔ اس کا مطلب ظلم[4]، ایمان کے ذریعہ وجود میں آنے والے امن و امان اور ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ہے اور ایمان کی سیّالیت میں اضافہ کا سبب ہے۔ چونکہ ایمان کے مختلف مراتب و درجات ہیں لہٰذا ظلم کا اثر بھی مراتب دینداری سے تعلق رکھتا ہے۔ دینداری کے تمام مراتب و درجات میں، بس اسی وقت ایمان کی سیّالیت اور آمد و رفت کا سلسلہ تھم سکتا ہے جب مؤمن اپنے درجۂ ایمان کے تناسب سے ہی ظلم سے دور ہو[5]۔ دینداری کے اعلیٰ درجات میں جو چیز ظلم کا مصداق ہو وہ ایمان

۱۔ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورہ نساء/۶۵)

۲۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَ هُمْ مُهْتَدُونَ (انعام/۸۲)

۳۔ آیت میں موجود لفظ لبس، ستر و پوشیدگی کے معنیٰ میں ہے (راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن، ص ۷۴۴)

۴۔ ظلم، اعتدال و میانہ روی سے خارج ہو جانے کا نام ہے۔ مذکورہ آیت میں اس کا ذکر سیاق نفی میں نکرہ کی صورت میں آیا ہے جو میں عمومیت پیدا کرتا ہے۔ لیکن چونکہ آیت کے سیاق سے واضح ہوتا ہے کہ ظلم، ایمان کے آثار حسنہ اور فوائد بے بہا کی راہ میں رکاوٹ ہے، لہٰذا یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ آیت میں مذکور ظلم سے خاص ظلم مراد ہے جو ایمان کے لئے مضر ہے اور اس کی خرابی و بے ثمری کا سبب ہوتا ہے (المیزان فی تفسیر القرآن، ج۷، ۲۷۸-۲۸۲)

۵۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۷، ص ۲۷۸-۲۸۲

اثرات کو زائل کر دیتی ہے جبکہ وہی چیز نچلے درجات میں ظلم محسوب نہ ہوگی اور اس کے نتیجہ میں اثرات ایمان مخدوش نہ ہوں گے۔ دینداری کے مراتب و درجات میں اضافہ کے ساتھ ظلم کے مصادیق کا دائرہ بھی مزید وسیع، دقیق اور جزئی ہو جاتا ہے۔

اب تک کی گفتگو سے واضح ہوا کہ دینداری کی سیّالیت اور آمد و رفت ایک حقیقت ہے جس میں اضافہ کے ساتھ دینداروں کی کجی و انحراف کی مقدار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ دین و ایمان کی تقویت و استحکام کے ذریعہ ہی دینداروں کے انحراف کا انسداد اور معاشرہ سے انحرافات کے اسباب و محرکات کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے زاویہ سے اگر دیکھا جائے تو دینداری کی سیّالیت، اس بات کا بھی سبب بنتی ہے کہ تمام مسلمان سایۂ ایمان میں باقی رہ کر الزام کفر سے محفوظ رہیں۔[1] یہ وہی حقیقت ہے جس کی بنیاد پر دینداری کو مختلف درجات و مراتب کا حامل جانا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ بعض سماجی مشکلات و خطرات کی تبیین و تشریح بھی کی جاسکتی ہے۔ الغرض دینداری کا سیّال ہونا جہاں ایک بے نظیر موقع ہے وہیں ایک اہم خطرہ بھی ہے۔

مراتب دینداری

بعض قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے[2] کہ دینداری کے الگ الگ درجات ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۶ اور سورۂ فتح کی چوتھی آیت میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ بعض دیندار افراد، حالت ایمان میں بھی شرک کے بعض درجات کے حامل ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے ایمان کی تقویت یا تضعیف کا امکان رہتا ہے اور قوت و ضعف کے اعتبار سے اس کی درجہ بندی بھی کی جاسکتی ہے۔ ان آیات قرآنیہ کے مطابق، دینداری ایک ثابت و غیر متغیر حقیقت کا نام نہیں ہے جو معاشرہ کے کچھ لوگ معاشرتی اعمال کے بموجب اس کے دائرہ سے نکل جائیں، بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے مختلف درجات ہیں جس میں تمام افراد اپنے تمام دینی اعمال کے باوجود شامل رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، دینداری ذومراتب حقیقت کا نام ہے جس کے نچلے مراتب و درجات میں ایمان کے ساتھ ساتھ ایک قسم کا شرک بھی موجود ہوتا ہے یعنی ایمان

۱۔ دائرۂ ایمان جتنا تنگ ہوگا، اتنے ہی افراد اس دائرہ سے باہر ہوں گے اور اتنا ہی ان پر کفر کا الزام عائد ہوگا۔ یہ وہی کام ہے جو تکفیری جماعتیں انجام دے رہی ہیں۔

۲۔ يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (سورۂ مجادلہ/۱۱)؛ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (احقاف/۱۹)؛ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (سورۂ فاطر/۱۰)

ناخالص ہوتا ہے۔ لیکن بتدریج ایمان کی تقویت کے ساتھ اس کی ناخالصی ختم ہوتی جاتی ہے۔ دینداری کی درجہ بندی کا تعلق ، افراد کے ظرف وجود اور معیار ادراک سے بھی ہے اور پیغام دین کی ان پر تاثیر کی نوعیت، مقدار اور تنوع سے بھی۔ بعنوان مثال ، بعض مفسرین کے مطابق قرآن مجید میں لفظ مستضعفین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے مختلف جسمانی و نفسیاتی کمیوں یا سماجی، ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی موانع کے باعث حقیقت اسلام آشکار نہیں ہو پائی ہے جس کے نتیجہ میں وہ اسلام نہیں لا پائے یا پھر اس کی پابندی ان کے لئے ناممکن ہوتی ہے[۱]۔ لہٰذا آیات و روایات[۲] کے مطابق یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دینداری کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔

مراتب دینداری کو دو زاویوں سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ آیات و روایات[۳] سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان آیات قرآنی پر جتنا عمل پیرا ہوگا اور اس کی زندگی جس قدر قرآنی ہوگی وہ اتنا ہی دیندار ہوگا لہٰذا جس طرح قرآن کے مختلف بطون و مراتب ہیں اِنَّ للقرآن ظھراً و بطناً و لبطنه بطناً الی سبعین ، اسی طرح دینداری کے مراتب بھی لا متناہی ہیں[۴]۔ اس نظریہ کے مطابق، (درجات قرآن کے تناسب سے) دینداری کے بے پایاں مراتب و درجات ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور نظریہ ہے جس میں دینداری کے سات درجے بیان کئے گئے ہیں جو علم سماجیات کے عام طریقوں کی بنیاد پر ترتیب دئے گئے ہیں[۵]:

۱۔ ظاہری دینداری

۲۔ غیر ثابت و ناپائیدار دینداری

۱۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱۵، ص ۵۱-۵۸؛ تفسیر نمونہ، ج۴، ص ۱۸۴-۱۸۸

۲۔ امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں: ایمان کے دس درجات ہیں، سیڑھی کی طرح جس کے ذریعہ زینہ بہ زینہ انسان اوپر جاتا ہے۔ (مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج۶۹، ص ۱۶۵)

۳۔ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فِي وَصِيَّتِهِ لِابْنِهِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَا بُنَيَّ . . . وَ عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَ الْعَمَلِ بِمَا فِيهِ وَ لُزُومِ فَرَائِضِهِ وَ شَرَائِعِهِ وَ حَلَالِهِ وَ حَرَامِهِ وَ أَمْرِهِ وَ نَهْيِهِ وَ التَّهَجُّدِ بِهِ وَ تِلَاوَتِهِ فِي لَيْلِكَ وَ نَهَارِكَ فَإِنَّهُ عَهْدٌ مِنَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى إِلَى خَلْقِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَنْظُرَ كُلَّ يَوْمٍ فِي عَهْدِهِ وَ لَوْ خَمْسِينَ آيَةً وَ اعْلَمْ أَنَّ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ عَلَى عَدَدِ آيَاتِ الْقُرْآنِ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لِقَارِئِ الْقُرْآنِ اقْرَأْ وَ ارْقَ فَلَا يَكُونُ فِي الْجَنَّةِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ وَ الصِّدِّيقِينَ أَرْفَعُ دَرَجَةً مِنْهُ (صدوق، ۱۴۰۴، ج۲: ۶۲۸)

۴۔ حسن زادہ آملی، حسن، انسان وقرآن، ص ۱۷۹-۱۷۷

۵۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۱۷۱-۱۹۷

۳۔ تفصیل طلب دینداری

۴۔ بے شبہ دینداری

۵۔ دینداری حالت تضاد میں

۶۔ خالص دینداری

۷۔ مثالی دینداری۔

ان مراتب کو صعودی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔ یعنی پہلا مرتبہ کمترین مرتبہ ہے جب کہ ساتواں بلند ترین مرتبہ ہے۔ دینداری کے شروعاتی مراتب و درجات میں ایمان، شرک بمعنی نا خالصی کے ہمراہ ہوتا ہے۔ لہٰذا آخری مرتبہ سے جس قدر پہلے مراتب کی طرف آیئے انسان کے انحراف اور ارتکاب گناہ کا احتمال بھی بڑھتا جائے گا، نیز نفاق اور منافقانہ اعمال و کردار میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا اور اسی تناسب سے دینداروں کی تعداد میں بھی کمی آتی جائے گی۔ یہی سبب ہے کہ پہلے دو درجوں میں دینداروں کی تعداد سب سے زیادہ جب کہ آخری دو درجوں میں سب سے کم نظر آتی ہے۔ دین پہلے مرحلہ سے آگے بتدریج مستحکم ہوتا جاتا ہے۔ دینداری کے تیسرے مرتبہ سے دین کے اجتماعی نمونے رفتہ رفتہ معاشرہ میں نمایاں ہونا شروع ہوتے ہیں اور انہیں استحکام حاصل ہوتا ہے[1]۔

سماجی برائیوں کے مقابلہ میں مراتب دینداری کا مزاحمتی کردار

سورۂ حجرات کی چودھویں آیت[2] کے مطابق، دینداری کا سب سے ابتدائی مرحلہ کلمۂ شہادتین کے ذریعہ تحقق پذیر ہو جاتا ہے۔ یعنی جو بھی اللہ کی وحدانیت اور رسول اکرمؐ کی رسالت کا اقرار کرے وہ مسلمان ہے اور دینی سماج میں دوسروں کے طرح مساوی حقوق کا حامل ہے۔ چنانچہ کسی کو اس کے مسلمہ حقوق کی پامالی کا حق نہیں[3]۔ چونکہ اس مرحلہ میں دین کی حیثیت ظاہری اور بربنائے مصلحت ہوتی ہے لہٰذا اس مرحلہ میں دین قلبی نہیں ہوتا اور انسان کے اعمال و کردار دین کے زیر نگرانی نہیں آپاتے۔ یہی وجہ کہ اس

۱۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۱۷۱-۱۹۷

۲۔ قالَتِ الْأَعْرابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَ لكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمانُ في‏ قُلُوبِكُمْ وَ إِنْ تُطيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمالِكُمْ شَيْئاً إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحيمٌ (سورہ حجرات/۱۴)

۳۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱، ص ۴۵۶-۴۵۸

مرحلہ سے متعلق دیندار طبقہ ہمیشہ کجی و انحراف کے خطرہ سے دوچار رہتا ہے۔ ان کی دینداری نہ صرف یہ کہ انہیں برائیوں سے محفوظ نہیں کرتی بلکہ اس مرحلہ میں عنصر نفاق میں اضافہ کا امکان رہتا ہے جس کے بموجب کجروی و انحراف میں بھی اضافہ ہوتا ہے[1]۔

اس مرحلہ میں دینداروں کے معاشرتی و اجتماعی اعمال و افعال، منفعت پر مبنی ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، اگر ان کا فائدہ دیندار رہنے میں ہو تو دیندار رہتے ہیں اور اگر بے دین رہنے میں ہو تو دین کو اہمیت نہیں دیتے۔ اس لحاظ سے ایسے افراد کے دو رخ ہوتے ہیں، دو شخصیتیں ہوتی ہیں اور ظاہر و باطن میں تضاد پایا جاتا ہے۔ در حقیقت، دینداری کے اس درجہ میں اکثریت ایسے منافق افراد کی ہوتی ہے جن کی شخصیت میں تعادل و توازن نہیں پایا جاتا جب کہ عین ممکن ہے خود کو سرآمد روزگار سمجھتے ہوں۔ ایسے افراد بظاہر تو ٹھیک ٹھاک نظر آتے ہیں مگر اندر سے بزدل، متزلزل اور منافق ہوتے ہیں۔ منافق فساد و انحراف والا ہوتا ہے مگر اسی نفاق کی بنیاد پر خود کو نیک و اصلاح پسند ظاہر کرتا ہے۔ منافق، مفاہیم و تعلیمات دین کے ادراک سے خود کو محروم کرلیتا ہے اور مسلسل ایمان و کفر کے درمیان آمد و شد کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کی نظر میں دین صرف منافع و مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ وہ مؤمنوں کے ساتھ ہوتا ہے نہ کافروں کے ہمراہ بلکہ اس کے فوائد و منافع ہی اس کی ہمراہی کا تعیّن کرتے ہیں۔ اگر دینداری کا یہ درجہ و مرتبہ رائج و جاری رہے تو اس کے منفی نتائج معاشرتی و ثقافتی تضاد، دینداری کی قلّت، فساد و انحراف کی شدّت، اجتماعی سرمایوں کی نابودی وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ تاہم اس مرحلہ میں ظواہر دین کی پابندی نہ صرف منفی پہلو نہیں رکھتی بلکہ کم از کم دینداری کی ظاہری شکل کو قدرے محفوظ رکھتی ہے اور وقتی طور پر معاشرتی و ثقافتی امن قائم رہتا ہے۔

سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۶[2] اور سورۂ نساء کی ۱۳۷ویں آیت[3] میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو ایمان تو رکھتے ہیں مگر ان کے ایمان میں شرک کا امتزاج ہے۔ اسی وجہ سے وہ ایمان و کفر کے درمیان آمد و

۱۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۱۷۴

۲۔ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ

۳۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا۔

شد کی حالت میں رہتے ہیں[۱]۔

دوسرے مرحلہ میں، ایمان دل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ ایک اہم اور بنیادی مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ میں پہلے والے مرحلہ اور درجہ کی نسبت خطرۂ انحراف و کجروی میں کمی آتی ہے، تاہم ابھی ایمان کمزور ہوتا ہے، اس میں ابھی اتنا استحکام نہیں پایا جاتا اور دیندار ایمان و کفر کے درمیان متزلزل رہتا ہے۔ اگر اس آمد و شد اور تنزلزل کے دوران ایمان کی تقویت ہو جائے تو بتدریج اس میں ضروری استحکام آجاتا ہے، خطرۂ انحراف و گناہ کم ہو جاتا ہے اور دینداری کے مراتب میں ارتقاء آتا ہے۔ لیکن اس دوران اگر گناہ و عصیان کی تقویت ہوئی تو انحراف کا خطرہ بڑھ جاتا ہے اور بتدریج دینداری کے مراتب میں بھی تنزل آتا ہے۔ اس صورتحال میں اجتماعی نگرانی کے سبب انحراف کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ اس مرحلہ میں اجتماعی نگرانی میں اضافہ کے ذریعہ علانیہ جرائم میں تو کمی آئے گی مگر نفاق میں اضافہ ہوگا جس کے نتیجہ میں غیر علانیہ اور مخفیانہ جرائم میں اضافہ ہوگا۔ معاشرتی دباؤ کی شدت سے بچنے کا ایک راستہ نفاق ہے۔ لہٰذا نفاق میں اضافہ کے سبب خطرات و نقصانات میں اضافہ کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے[۲]۔

تیسرے درجہ میں، صاحبان ایمان اللہ کے اوامر و نواہی کے سامنے اجمالی طور پر نہیں بلکہ تفصیلی طور پر تسلیم ہو جاتے ہیں۔ دین کی پابندی میں یہ تفصیلی طریقہ، ایمان کے ثبات و استحکام کا نتیجہ ہوتا ہے جو بتدریج حاصل ہوتا ہے اور سورۂ بقرہ کی ۱۸۳ویں آیت[۳] اور سورۂ آل عمران کی ۱۳۴ویں آیت[۴] کے مطابق اس کے نتیجہ میں تقویٰ انسان کا ملکہ ہو جاتا ہے[۵]۔ دین کے قلب میں سما جانے کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی ضبط نفس کی حالت کے بموجب اس مرحلہ میں گناہ و کجروی کا امکان کم ہو جاتا ہے تاہم اس کی شدت و کمی کے تناسب سے جرائم اور نفاق کی مقدار میں بھی کمی یا بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس درجہ میں ابھی تک

۱۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۹، ص ۴۵۱

۲۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۱۷۷

۳۔ یاأَیھَا الَّذِینَ آمَنُواْ کُتِبَ عَلَیکُمُ الصِّیامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِینَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ

۴۔ وَ سَارِعُواْ إِلَی مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّکُمْ وَ جَنَّةٍ عَرضُها السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِینَ۔ الَّذِینَ ینفِقُونَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ الْکَاظِمِینَ الْغَیظَ وَالْعَافِینَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ یحِبُّ الْمُحْسِنِینَ (آل عمران/۱۳۳-۱۳۴)

۵۔ تفسیر نمونہ، ج۳، ص ۹۶-۹۹؛ فضل اللہ، سید محمد حسین، تفسیر من وحی القرآن، ج۶، ص ۲۷۱

دامن دینداری شک و تردید سے محفوظ نہیں ہوا ہوتا اور ایمان و کفر اور گناہ و ثواب کے درمیان انسان کی آمد و شد جاری رہتی ہے[۱]۔

سورۂ حجرات کی پندرہویں آیت[۲] میں دینداری کا ایک ایسا مرحلہ اور درجہ بیان ہوا ہے جس میں انسان قلبی ایمان کے استحکام کی بنیاد پر اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ اس مرتبہ میں شک و تردید کی جگہ یقین لے لیتا ہے[۳]۔ سورہ صف کی دسویں اور گیارہویں آیت[۴] سے بھی یہی بات ہوتی ہے۔ حصول یقین اور ازالۂ شک کے بموجب گناہ و انحراف کے احتمال میں شدید کمی آتی ہے اور پھر سماج کا ڈر انحرافات کی کمی یا بیشی میں کوئی خاص اثر نہیں رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر، یقین کے ذریعہ تقویت ایمان کے سبب منافقانہ انداز میں کمی آتی ہے اور صداقت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اس درجہ میں جرائم حقیقی معنوں میں صفر کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور دینداری کو مکمل تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے بالاتر مراتب و درجات میں تقویت ایمان کی بنیاد پر ارتکاب جرم کا احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے اور زندگی کے انفرادی، اجتماعی، معاشی، سیاسی الغرض تمام امور میں ایک تحفظ کی کیفیت آجاتی ہے[۵]۔

سورۂ یونس کی ۶۲ویں آیت[۶] کے مطابق، دینداری کے آخری مرحلہ اور درجہ میں مؤمن دنیا و آخرت کے کسی امر میں خوف، وحشت یا اضطراب کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کی مشیت اور ارادہ کے سامنے سراپا تسلیم اور مطمئن رہتا ہے۔ اس مرتبہ میں دین اور دینداری ایک دوسرے پر مکمل انطباق رکھتے ہیں۔ اسی طرح سماج کے دینی نمونے جن کا آغاز تیسرے مرحلہ سے ہی ہو چکا تھا، وہ اب عینی و مصداقی حیثیت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ اس درجہ کی دینداری درحقیقت دین کا وہ مثالی معیار ہے جس کی بنیاد پر انسان کے

۱۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۱۷۶-۱۸۰

۲۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَ أَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ

۳۔ تفسیر نمونہ، ج ۲۲، ص ۲۱۳

۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَ تُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَ أَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

۵. حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۱۷۸ و ۱۸۰-۱۸۲

۶۔ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُونَ

تمام احساسات و جذبات اور افعال و افکار وغیرہ دین پر منطبق ہوتے ہیں، لہٰذا نچلے درجوں کے دیندار افراد اسے معیار دین اور ایک نمونہ کے بطور دیکھتے ہوئے اس کے احساسات و جذبات، اعمال و افعال اور افکار و کردار کو دین پر منطبق سمجھ سکتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

سورۂ عنکبوت کی پینتالیسویں آیت [1] سے استفادہ کرتے ہوئے، درجۂ دینداری کے ارتقاء کے سبب شرح جرائم میں کمی کا نظریہ مزید واضح ہوتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ آیت میں بصراحت نماز کو برائیوں کی روک تھام کا ایک عامل و سبب متعارف کرایا گیا ہے تاہم معاشرہ میں ایسے نمازی افراد بھی ہیں جو اقامہ نماز کے باوجود بہت سے گناہوں کے مرتکب نظر آتے ہیں۔ اس تضاد کا تعلق ان کے درجۂ دینداری سے ہے، اگرچہ نماز دینداری کے دوسرے درجہ کی ایک خصوصیت ہے [2]۔ لیکن اسی کے ساتھ مذکورہ آیت کی بنیاد پر، گناہوں کے ارتکاب کا احتمال بھی اسی درجہ کی ایک اور خصوصیت ہے۔ اگر کوئی اسی درجۂ دینداری اور مرحلۂ ایمان میں رہ جائے اور آگے نہ بڑھے، تو اس کے یہاں یہ امکان پایا جائے گا کہ وہ نماز بھی پڑھے اور برائیاں بھی انجام دے۔ بالفاظ دیگر، صرف نماز پڑھ لینا فحشاء و منکرات سے نہیں روکتا بلکہ نماز کے ساتھ ایک اور صفت کی ضرورت ہے تاکہ وہ برائیوں کے مقابلہ میں انسان کو تحفظ فراہم کر سکے۔

دینداری کے خصوصیات کی تحلیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جیسے جیسے مراتب دینداری ارتقائی منزلوں کو طے کرتے ہیں، نماز کے ساتھ ایک اور عامل کا اضافہ ہو جاتا ہے جو نماز کی تحفظ بخشی کی صلاحیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اس عامل و محرک کا نام خشوع [3] ہے جو دین کے رگ و پے میں سما جانے کے ذریعہ بتدریج حاصل ہوتا ہے۔ دینداری کے چھٹے درجہ میں خشوع اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ پھر سختی ہو یا آسانی، صحت ہو یا مرض، پیری ہو یا جوانی، دولتمندی ہو یا فقر، سردی ہو یا گرمی، صلح ہو یا جنگ، سرداری ہو یا

۱۔ إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ

۲۔ حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آن، ص ۱۷۷

۳۔ خشوع مؤمن کے دل میں پیدا ہونے والی ایک حالت کا نام ہے جس کی بدولت انسان کی توجہ تمام دوسری جگہوں سے منقطع ہو کر صرف معبود حقیقی کی جانب ہوتی ہے اور اس کا اثر براہ راست انسان کے اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا خاشع مؤمن وہ ہے جو زندہ و متحرک ایمان کا حامل ہو اور مقام ربوبیت کی جانب اس طرح متوجہ ہو کہ معبود کے سامنے اپنے آپ کو ذلت و خواری میں غرق پائے اور اپنے دل کو ہر اس شئے سے منقطع کر لے جو اس کے مقصد کی راہ میں حائل و مانع ہو۔ (المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱، ص ۲۳۰)

غلامی، حاکمیت ہو یا محکومیت، اجتماع ہو یا تنہائی، شب ہو کہ روز، ہر حال میں خشوع تمام نمازوں پر سایہ فگن رہتا ہے۔ اس درجہ و مرتبہ میں جس میں تمام نمازوں میں خشوع کا مکمل امتزاج رہتا ہے، گناہ وانحراف کا احتمال صفر کے قریب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خشوع کی معیت میں نماز تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكرِ کا مصداق بن جاتی ہے۔ الغرض، صرف نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ نماز میں خشوع وہ عنصر ہے جو انحراف و کجروی کے مقابلہ میں نمازی کی سپر بن جاتا ہے۔ کسی بھی نماز میں حالت خشوع ہی یہ اثر پیدا کرتی ہے، چاہے وہ لمحہ بھر کے لئے کیوں نہ ہو۔ دینداری کے پہلے مراتب و درجات میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ نماز میں خشوع کی معیت کے لمحات، عدم معیت کے لمحات کے ذریعہ بے اثر ہو جاتے ہیں جبکہ دینداری کے اعلیٰ درجات میں نماز اور خشوع کی معیت جاری رہتی ہے اور تمام نمازوں پر خشوع کے احاطہ کی بدولت اس کے آثار بھی باقی رہتے ہیں اور انسان کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

نتیجہ

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ دینداروں میں گناہ، انحراف اور کجروی کا امکان ان کے درجۂ دینداری پر منحصر ہے۔ انسان پہلے تینوں درجات ایمان سے بالاتر، ساتویں درجہ کی طرف جتنا نزدیک ہوگا دینداری کا تعلق اس کے باطن سے اتنا ہی مستحکم اور تحفظ بخش ہوتا جائے گا۔ دینداری کے نچلے درجوں سے تعلق رکھنے والے افراد میں انحراف و کجروی کا خطرہ زیادہ پایا جاتا ہے لیکن دینداری کے درجات میں ارتقاء کے ذریعہ انحراف کا امکان بھی کم ہو جاتا ہے۔ دینداری کے پہلے اور دوسرے درجہ میں صفت نفاق کا امکان زیادہ ہوتا ہے، جس کا براہ راست تعلق دینی معاشرہ میں موجود سماجی دباؤ اور ڈر سے ہے۔ اگرچہ پہلے دو درجوں میں اجتماعی نگرانی یا سماج کے ڈر کے سبب وقتی طور پر جرائم اور بالخصوص بڑے جرائم میں کمی آتی ہے تاہم اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے عنصر نفاق کے سبب ڈھکے چھپے انحرافات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر دینداری کے باوجود اکثر افراد گناہ، انحراف اور کجروی کا شکار نظر آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ دینداری کے پہلے دو درجوں تک محدود ہیں۔ جب تک دینداری کے درجات میں ارتقاء نہیں آتا اس وقت تک یہ صورتحال تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں معاشرتی برائیوں کے سد باب کے لئے اجتماعی نگرانی اور سماجی خوف قائم کرنے سے بہتر ہے کہ دینداری کے اعلیٰ درجات تک معاشرہ کو لے جایا جائے۔ تب

کہیں جاکر جرائم میں کمی آئے گی اور انسان باطنی طور پر مستحکم ہوگا اور اسی استحکام کے تناسب سے وہ برائیوں کے مقابلہ میں محفوظ ہوگا۔

در حقیقت دینداری کے اعلیٰ مراتب و درجات تک رسائی کے ذریعہ اس کا ایمان دل میں اتر جائے گا اور اس پر کسی بیرونی عنصر کے بجائے اس کے اندرونی عنصر کا ہی کنٹرول ہوگا۔ جتنا دینداری کے مراتب میں اضافہ ہوگا اتنا ہی انسان برائیوں کے مقابلہ میں محفوظ ہوگا اور آخری مرتبہ میں تو گناہ و انحراف حتی خطا کا امکان بھی صفر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ درجات دینداری کا ارتقاء خود انسان کے ارادہ پر منحصر ہے لہٰذا خود دینداروں کو چاہئے کہ وہ اپنے درجۂ دینداری میں اضافہ کرتے رہیں۔

اندرونی و حقیقی دینداری کے ذریعہ دینداری کی درجہ بندی ہوتی ہے اور اس کے مختلف درجات کا تعین ہوتا ہے۔ ہر درجہ میں انحراف و کجروی کا امکان بھی الگ کیفیت کا حامل ہوتا ہے اور وہ کیفیت اسی درجہ سے مخصوص ہوتی ہے۔ لہٰذا دینداری کے پہلے مرتبہ سے لے کر آخر تک جیسے جیسے دین اندرونی ہوتا جاتا ہے اور دل و جاں میں سماتا جاتا ہے ویسے ویسے انحراف کا امکان بھی کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بتدریج صفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح نفاق اور منافقانہ رویہ جو کہ دین کے اندرونی نہ ہونے کا نتیجہ ہے، اس کا ظہور بھی دینداری کے ابتدائی مراحل و درجات میں زیادہ ہوتا ہے لیکن بتدریج دینداری کے مراتب کے ارتقاء کے ساتھ اس میں کمی آتی جاتی ہے۔ دینداری کے ہر درجہ و مرتبہ میں، دیندار شخص کے اندر خاص علامتیں پیدا ہوتی ہیں جن کے سبب وہ درجہ دیگر درجات سے متمائز ہوتا ہے، نیز یہ علامتیں اس خاص درجہ سے متعلق اسباب انحراف کے خاتمہ کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- نہج البلاغہ، ترجمہ محمد دشتی، مؤسسہ فرہنگی تبلیغاتی امیر المومنین، قم، ۱۳۷۹
- آخوندی، محمد باقر، حاشیہ نشینی در شہر مشہد و چشم انداز آیندہ، مؤسسہ تحقیقات و مطالعات بین المللی ابرار معاصر شعبہ خراسان (تحقیق منتشر نشدہ)، ۱۳۸۲
- انجمن جامعہ شناسی ایران، آسیب ھای اجتماعی در ایران، انتشارات آگہ، تہران، ۱۳۸۳
- چلبی، مسعود، جامعہ شناسی نظم، نشرنی، تہران، ۱۳۷۵

- حسن زادہ آملی، حسن ،انسان وقرآن، قیام، قم،۱۳۸۱
- رابر تسون، یان، درآمدی بر جامعہ ،انتشارات آستان قدس رضوی، مشہد،۱۳۷۷
- راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن، بیروت دار القلم
- صدوق، محمد بن علی، الخصال الممدوحۃ والمذمومہ
- صدیق سروستانی، رحمت اللہ، آسیب شناسی اجتماعی، دانشگاہ تہران ، تہران، ۱۳۸۵
- طباطبائی، سید محمد حسین ،ترجمہ تفسیر المیزان، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ ، قم، ۱۳۷۴
- طبرسی، فضل بن حسن ، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ناصر خسرو، تہران،۱۳۷۲
- طبرسی، فضل بن حسن، مشکاۃ الانوار فی غرر الاخبار، نشر المکتبہ الحیدریہ ، نجف اشرف،۱۳۷۷
- فضل اللہ، سید محمد حسین، تفسیر من وحی القرآن، دار الملاک للطباعہ والنشر، بیروت،۱۴۱۹
- کلینی، محمد بن یعقوب ،اصول کافی، ترجمہ کمرہ ای، اسوہ، قم،۱۳۶۳
- لیتل دانیل، تبیین در علوم اجتماعی، ترجمہ عبد الکریم سروش، صراط، تہران،۱۳۸۱
- مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار الجامعۃ لدرر الائمۃ الاطہار، ، انتشارات اسلامیہ، تہران
- محسنی تبریزی، علی رضا ، وندالیسم ،انتشارات آن، ۱۳۸۳
- مکارم ملامہدی، جامع السعادات، چاپ سنگی، تہران، ۱۳۱۲